Fikr-o-Nasar (Islamabad) 5:3 (1967) © rasailojaraid.com

انتخاب

صدر ایوبؒ کو ایک خطرناک مشورہ

[ماہنامہ فکر و نظر کی اشاعت جون میں کراچی کے ایک صاحب الطاف جاوید کی صدر مملکت کے نام کھلی چٹھی شائع ہوئی ہے جس میں پاکستان کے دینی حلقوں کو "مُلّائی نظام" کا نام دے کر ان پر نہایت جذباتی انداز میں تنقید کی گئی ہے۔ صاحب مراسلہ نے اپنے آپ کو ایک عام آدمی کہا ہے، اور صدر مملکت کو ان کے خلوص اور ترقی ملت کے سلسلے میں ان کی جدوجہد کا حوالہ دے کر مشورہ دیا ہے کہ وہ بھی مصطفےٰ کمال، رضا شاہ پہلوی، صدر ناصر اور ظاہر شاہ کی طرح پاکستانی معاشرے کو "مُلّائی نظام" سے نجات دلائیں۔]

صاحبِ مراسلہ نے جن دلائل سے صدر مملکت کو متاثر کرنے کی کوشش کی ہے حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ یورپ میں مذہب جب تک معاشرے پر مسلط رہا، معاشی اور عمرانی علوم ترقی نہ کر سکے، معاشرے کے افراد کی تخلیقی اور تعمیری قوتیں آزاد نہ ہو سکیں۔ ہمارے یہاں بھی صورتِ حال اس سے مختلف نہیں۔ "مُلّائی نظام" معاشرے پر بُری طرح حاوی ہے۔ چنانچہ خاندانی منصوبہ بندی، عائلی اصلاحات اور "کئی دیگر" منصوبے خاک میں مل جاتے اگر حکومت ان پر کروڑوں روپے ضائع نہ کرتی۔

۲۔ ملک میں جگہ جگہ مسجدوں کا "جال پھیلا ہوا" ہے اور پرائیویٹ دینی مدرسے "مُلّائی نظام" کو نیا خون دیتے رہتے ہیں۔ یہ نظام عوام کے بہت قریب ہے اس لیے عوام پر اس کی گرفت بہت مضبوط ہے۔ یہ گرفت کسی ترقی پسند جدید خیال کو آگے نہیں بڑھنے دیتی۔

۳۔ صاحب موصوف کا مشورہ ہے کہ جس طرح یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں پادریوں کی تعلیم و تربیت کے لیے الٰہیات کے شعبے قائم ہیں اور ان کے ذریعہ انہیں ایم۔ اے اور ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں ملتی ہیں۔ اسی طرح پاکستان کی یونیورسٹیوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بھی الٰہیات یا اسلامیات کا شعبہ قائم کیا جائے۔ دینی مدرسوں کو ختم کر دیا جائے اور کسی مسجد میں کسی ایسے خطیب یا امام کو داخل نہ ہونے دیا جائے جو ڈگری یافتہ نہ ہوں، محکمہ اوقاف کے ذریعہ "ملائی نظام" کو کنٹرول کیا جائے۔

۴۔ دینی حلقوں نے "خلافت و ملوکیت" کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے جس میں طاقت مہیا ہو جانے پر حکومت وقت کے خلاف بغاوت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

ہمیں صاحب مراسلہ کے خلوص نیت پر شبہ نہیں۔ نہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے کسی خاص مقصد کے تحت صدر ایوب کے نام کھلی چٹھی لکھی اور اسے ادارہ تحقیق اسلامی کے ماہوار جریدے میں شائع کرا دیا۔ ہم اس بات پر حرف گیری نہیں کرتے کہ اگر وہ عام آدمی ہیں تو انہیں یہ بات بے کہ عام پلیٹ فارم پر آنا چاہیئے تھا اور ان خیالات کے اظہار کے لیے کوئی ایسا وسیلہ اختیار کرنا چاہیئے تھا جس میں سے "حسن طلب" کا پہلو شعوری یا غیر شعوری طور پر نمایاں نہ ہوتا۔ جس انداز میں اور جس راستے سے یہ بات آئی ہے وہ حسن طلب کا شاہکار تو کہلا سکتی ہے، صورت حال کی اصلاح کا جذبہ جو اس کی تہ میں یقیناً ہوگا مدہم پڑ گیا ہے۔ بہرحال ان سب باتوں سے قطع نظر ہم محترم مراسلہ نگار کی خدمت میں چند بنیادی باتیں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

اولاً یہ کہ پاکستان کے دینی حلقے صرف "خلافت و ملوکیت" کے مؤلف تک محدود نہیں ہیں اور نہ "خلافت و ملوکیت" کے مؤلف مولانا مودودی صاحب دینی حلقوں کے نمائندہ کہلا سکتے ہیں۔ اس لیے اس کتاب کے حوالے سے دینی حلقوں سے ناراض ہونا اور انہیں سیاسی اقتدار کا آرزومند قرار دے کر ان کے اثر و رسوخ کو کھوکھلا کرنے کی کوشش کرنا دیانتدارانہ طرز عمل نہیں ہے۔ صاحب مراسلہ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ "خلافت و ملوکیت" کو دینی حلقوں میں کوئی جگہ نہیں مل سکی اور علمی حلقوں میں ایک کتب فروش کے کاروباری سٹنٹ سے زیادہ کوئی وقعت حاصل نہیں ہو سکی۔ مؤلف موصوف کی سیاسی اور علمی دونوں حیثیتیں ان حلقوں میں محل نظر ہیں اور سنجیدہ علمی یا سیاسی حلقوں میں انہیں اتنا کا کوئی درجہ نہیں دیا جاتا۔ موصوف اپنی دونوں حیثیتوں سے ان دونوں حلقوں کو صرف "اری ٹیٹ" کرتے ہیں اور یہی ان کی شہرت کی بنیاد ہے۔

دوسری بنیادی بات جو ان کو سمجھ لینے کی ہے یہ ہے کہ ہمارے مذہب کا ایک مخصوص مزاج ہے جو مسیحیت سے قطعی الگ ہے۔ تاریخی طور پر مسیحیت اسلام سے عمر میں تقریباً چھ سو سال بڑی ہے اور خود مسیحی علماء کی تحقیق کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہو جانے کے بعد وحی الٰہی سے مسیحیت کا رابطہ ٹوٹ گیا تھا اور یہ تقریباً ڈھائی صدیوں تک حواریوں کے چند شاگردوں تک محدود رہی۔ اس عرصے میں جناب مسیح علیہ السلام کی ذات بابرکات یا شخصیت چند عقائد کا محور بن گئی جن کے متعلق کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں کہ یہ عقائد وحی الٰہی کے نتیجے میں قائم ہوئے تھے۔ عقائد کا یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجموعہ ایک "سینٹ" (یا ولی) سینٹ پال کے کشف و کرامات کے اضافے کے ساتھ اس وقت کی عالمی طاقت روم کے دارالسلطنت قسطنطنیہ میں پہنچا۔ شہنشاہِ روم اس وقت نہایت درجہ اندرونی خلفشار میں مبتلا تھا اور سلطنت میں جگہ جگہ کسانوں اور محنت کشوں کی بغاوتیں ہو رہی تھیں۔ سینٹ پال کی مسیحیت راضی برضا خود تادیبی اور خود کشتنی کی تعلیم دیتی تھی جو شہنشاہ کے سیاسی مفادات کے لیے نہایت مفید اور مناسب تھی۔ سیاست نے قوم کو زندہ درگور کر دینے ہی کے مقصد سے مذہب کو اپنایا، اسی مقصد سے "چرچ" کے نظام کا قیام ہوا، یورپ کی نشاۃ ثانیہ شہنشاہیت کے اسی مقصد کے خلاف وہ بغاوت تاریخی ہے جس کا آغاز ہسپانیہ (سپین) اور صقلیہ (سسلی) جیسے یورپی مسیحی تہذیب کے مرکزوں میں اسلام کے سیاسی اور علمی نفوذ کے اثر سے ہوا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ اسلام "پاپائیت" کی ضد تھا، اگر ضد نہ ہوتا تو نشاۃ ثانیہ کا آغاز نہ کر سکتا۔

مراسلہ نگار خود انصاف فرمائیں کہ اس تاریخی حقیقت کی موجودگی میں وہ صدرِ مملکت پاکستان کو کس بات کا مشورہ دے رہے ہیں اور "ملائی نظام" کو "پاپائیت" کے ہم پلہ قرار دے کر کس قدر ہولناک بے خبری کا ثبوت دے رہے ہیں۔

اسلام اس سے مختلف چیز ہے، اسلام کا نظامِ تعلیم اور نظامِ فکر بالکل اور کلیۃً الگ ہے۔ مسلمانوں میں کسی سائنسدان کو پھانسی نہیں دی گئی اور کوئی گلیلو نہیں جس کو قلعے کی دیوار پر سے گرا کر ہلاک کر دیا گیا ہو۔ بوعلی سینا اس دنیا کا بہت بڑا سائنسدان ہے۔ اسلامی معاشرے نے اسے ہلاک نہیں کیا۔ عمر خیام بہت بڑا ریاضی دان ہے وہ بھی کسی مذہبی تعصب کا شکار نہیں ہوا۔ تصوف بنیادی تجزیے میں شریعت ہی کی ایک شاخ ہے۔ تصوف اور شریعت کی لڑائی ایک علم کی دو شاخوں کی خانہ جنگی ہے۔ منصور حلاج کو شریعت نے اس لیے سزا نہیں دی تھی کہ وہ سائنسدان تھے بلکہ یہ سزا شریعت کے ایک پہلو میں دخل اندازی کے جرم پر دی گئی تھی اسلام میں سائنس اور مذہب کی کہیں لڑائی نہیں ہوئی۔

یہ اس لیے نہیں تھا کہ اس وقت کے سائنسدان اہلِ فقہ یا اہلِ شریعت سے زیادہ طاقتور تھے بلکہ اس لیے تھا کہ اسلام علم اور سائنس سے برسرِ جنگ نہیں ہے محترم موصوف نے درسِ نظامیہ پر بعض بجا و درست اعتراضات کیے ہیں لیکن اس پہلو کو فراموش کر دیا کہ درسِ نظامی خود اس زمانے کی تمام سائنسوں کا مجموعہ ہے یعنی اس میں فلسفہ بھی شامل ہے منطق بھی، طب بھی ہے اور ریاضی بھی، دوسرے لفظوں میں درسِ نظامی تجویز کرنے والوں کے ذہن پر کوئی پابندی نہیں تھی — وہ ایک طرف مشرک یونانیوں کا علم فلسفہ لیتے ہیں تو دوسری طرف سے ایران کی سائنس طب کو بھی اپناتے ہیں۔ اسی درس کے فارغ التحصیل لوگ ارسطو اور بقراط کی تحقیق میں اضافے کرتے اور ان کی تنقید کرتے ہیں اور طب میں وہ اضافے ہوتے ہیں جو شاید بانیوں کے خواب میں بھی نہ تھے۔

اسلام میں نظامِ تعلیم کی بنیاد ہمیشہ سے ایک اور صرف ایک رہی ہے۔ اسلام اپنے پیرؤوں کو چند اخلاقی اقدار کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نمایاں کرنا چاہتا ہے اور ان کے گرد ایک حلقہ قائم کرتا ہے جس سے باہر جانے کی اجازت نہیں۔ اسلام کی طویل تاریخ میں اس حلقے سے باہر جانے والوں کو پسند نہیں کیا گیا اور ان کے حق میں کبھی رائے عامہ قائم نہیں ہو سکی۔ صرف یہی نہیں آج کی دنیا کے مشرق و مغرب میں بھی یہی حلقہ قائم کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔ یہ حلقہ دو بنیادی عناصر حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ذریعے قائم ہوتا ہے اور ہمارا خیال ہے کہ بڑے سے بڑا تجدد پسند اور آزادی پسند بھی اس حلقے کو توڑنے کا مشورہ نہیں دے گا۔ اسلام کا نظام تعلیم اسی حلقے کے اندر قائم ہوتا ہے۔

اسلام چاہتا ہے کہ آپ ہر سائنس، ہر علم، ہر فن، ہر نظام کی تعلیم اپنے یہاں رائج کریں۔ ضرورت ہو تو چین تک کا سفر کریں لیکن آپ کی اس تعلیم کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے دائرے کے اندر ہونا چاہیئے۔

دینی مدرسوں اور مغربی طرز کی یونیورسٹیوں کے درمیان یہ جنگ ہرگز نہیں ہے کہ دینی مدرسے نئے علوم و فنون کو اپنے حلقہ درس میں شامل نہیں کرنا چاہتے۔ اگر حالات سازگار ہوں اور اس بجد گراں تعلیم کا بار دینی مدرسے اٹھا سکیں تو انہیں شرع کی کوئی نص اس سے منع نہیں کرتی۔ دینی مدرسے درس نظامی میں بنیادی تبدیلیاں لانے پر شب و روز غور کر رہے ہیں اور یہ تبدیلیاں آج نہیں تو کل حالات کے مطابق ہوں گی لیکن دینی مدرسے جس چیز کو برداشت نہیں کر سکتے اور نہیں کریں گے وہ اس حلقے سے یکسر آزادی ہے۔ اسی بات کو پلٹ کر یوں دیکھیے کہ کیا ہماری یونیورسٹیاں اپنے نظام تعلیم کو اس حلقے کے اندر پابند کرنے پر تیار ہیں۔ کیا یونیورسٹیاں یہ برداشت کریں گی کہ تعلیم کا بنیادی مقصد شاگرد کو مسلمان بنانا ہو، سائنسدان، فلسفی اور طبیب بننا ثانوی حیثیت رکھے اور رجحان کے زیر اثر خود بخود پرورش اور نمو حاصل کرتا رہے۔ مکرم مراسلہ نگار یقین فرمائیں کہ یونیورسٹیاں ایسا کرنے پر تیار نہیں ہوں گی کیونکہ اس کے لیے انہیں اپنا پورا ڈھانچہ بدلنا ہوگا۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیئے کہ ایم۔ اے اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری علم و فضل کا اعلان ضرور ہے۔ علم و فضل کے وجود کا حتمی ثبوت نہیں آپ کے کتنے ایم۔ ایس سی اور ڈاکٹرز ان سائنس ہیں جنہوں نے کوئی بہت بڑا تیر مار لیا ہے۔ اگر یونیورسٹیوں میں رائج نظام تعلیم کے دعوے سارے کے سارے کھوکھلے اور غلط نہیں تو اس کا کوئی نہ کوئی نمایاں ثبوت تو موجود ہوتا ــــ ڈاکٹریٹ کے بعد پروفیسری یا اس سے کچھ آگے بھی ہوتا ہے۔ ہماری یونیورسٹیوں کے موجودہ نظام تعلیم نے یقیناً اپنی افادیت کا کوئی بہت بڑا اور نمایاں ثبوت پیش نہیں کیا۔ صرف سائنس ہی میں نہیں، کسی بھی شعبے میں۔ اس کا سیدھا سا ثبوت یہ ہے کہ آج تک ہر شعبے کے مشیر باہر سے آتے ہیں، یہاں تک کہ قانون، طریق تعلیم، طب، صحت عامہ، زراعت، صنعت کوئی شعبہ نہیں جس میں آپ اپنی یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل لوگوں پر اعتماد کر سکیں، یا کر رہے ہیں، انتہا یہ ہے کہ آپ کی ملکی سیاست کو سمجھنے کے لیے ولایت سے لوگ آتے اور آپ کے قائد اعظم کی سوانح عمری آپ کے لیے لکھتے ہیں۔

© rasailojaraid.com